مکالمہ بین المذاہب: عصری مسائل اور حل کے لیے تجاویز

Interfaith Dialogue: Contemporary Issues and Suggestions for Solutions

*Dr. Mehboob Ali Shah
**Dr. Arshad Munir

Abstract

Present era is facing manifold problems on the issue of interfaith dialogue. To make the ongoing interfaith dialogue fruitful people should overcome these hurdles. Islam has the vibrant potential for the improvement of the existing culture of Interfaith dialogue. This paper studies the current problems and prospects of interfaith dialogue. It argues that dialogue can be made fruitful through mutual respect and understanding, particularly between Islam and the West. West can play vital role in this regard, as there are much more misconceptions about Islam.

Keywords: Interfaith dialogue, current situation, problems, remedies

دورِ جدید میں دنیا سمٹ کر ایک گلوبل ویلج کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کی بدولت انسان نے جہاں اپنی سہولت کے لیے بے شمار ایجادات کی ہیں، وہیں اپنی تباہی کے لیے خطرناک ہتھیار بنا لیے ہیں، جو آن واحد میں پوری انسانیت کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ابقاے باہمی کے لیے تدابیر کی جس قدر آج ضرورت ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ ان تدابیر میں مکالمہ بین المذاہب کا کردار نہایت اہم ہے۔ مکالمہ سے مراد مختلف عقائد سے تعلق رکھنے والے افراد یا جماعت کا کسی بھی معاملے پر گفت گو کرنا اور اس کے نتیجے میں مسائل کا پرامن طریقے سے حل نکالنا ہے۔ اسی حوالے سے اس مقالے میں مکالمہ بین المذاہب کے عصری مسائل اور ان کے حل کے لیے تجاویز زیر بحث لائی جا رہی ہیں۔

بین المذاہب مکالمہ کی حقیقت اور مقاصد

آگے بڑھنے سے پہلے بین المذاہب مکالمے کی حقیقت اور مقاصد پر اختصار سے نظر ڈال لینا ضروری ہے۔ مکالمہ کسی کے عقیدے یا مذہب کو تبدیل کرنا نہیں بلکہ ان کے مابین پائی جانے والی مشترک باتوں کو بنیاد بنا کر گفت گو کرنا ہے، جو ہر

* Head Master, Govt. Elemantry school Mehta Jhedu, Chistian, Bahawalnagar

** Chairman/ Associat Professor, Department of Islamic Studies , University of Gujrat, Gujrat

مذہب اور عقیدے میں یکساں ہوں، لیکن انسانوں نے مکالمہ بین المذاہب کے جواز کو وجہ تنازعہ بنا رکھا ہے۔ جب تمام مذہبی اختلافات اور ذاتی مفادات سے بالائے طاق ہو کر پُر امن باہمی مساوات اور برداشت کی فضا قائم رکھتے ہوئے ایک میز پر دو یا دو سے زیادہ لوگ یا گروہ باہم ملتے ہیں تو اپنے تمام مسائل اور اختلافات کا حل نکال لیتے ہیں اور اس کی بہترین اور پر امن صورت مکالمہ ہے۔ مکالمہ میں کسی پر یہ دباؤ نہیں ڈالا جاتا کہ وہ اپنے مذہب اور نظریہ کو خیر باد کہ دے بلکہ ان مسائل پر گفتگو کی جاتی ہے جو حل طلب ہوں۔[1] ذیل کی سطور میں بین المذاہب مکالمے کے مقاصد کے اہم نکات پر گفت گو کی جاتی ہے:

قیام امن

بین المذاہب مکالمہ کا مقصد مذاہب کے درمیان مفاہمت، اتحاد، محبت اور ہم آہنگی کا فروغ ہے۔ ہماری دنیا میں اس وقت تک امن کا راج نہیں ہو سکتا جب تک مذہب کے مابین امن قائم نہیں ہوتا اور مذاہب کے مابین امن اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک ان کے پیروکار ایک دوسرے کے لیے افہام و تفہیم پیدا نہیں کرتے۔ امن اتحاد اور ہم آہنگی ہر مذہب کا اعلانیہ مقصد ہے۔[2]

باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی روایات سے آگاہی

بین المذاہب مکالمہ کی اصل غرض اتحاد، محبت اور باہمی تعاون کے ذریعے تمام انسانوں کے لیے امن اور ترقی کو ممکن بنانا ہے۔[3] بین المذاہب مکالمے سے متعلق سرگرمیاں لوگوں کو اس قابل بناتی ہیں کہ مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ اپنی روایات اور اقدار کو دوسروں تک پہنچا سکیں۔ ان کو اس بات کی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے الفاظ استعمال کر سکیں اور اپنے مقاصد کو واضح کر سکیں۔

یگانگت و ہم آہنگی

بامعنی مکالمہ اس وقت ممکن ہے جب لوگ یہ یقین کامل رکھیں گے کہ ان کا عقیدہ سرحدوں سے بالاتر ہو کر وسیع تر معاشرے کے لیے ہے، جہاں پر تمام عقائد کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکیں۔ جب تک دونوں فریق جو آپس میں اتفاق رائے رکھتے ہوں یا اختلاف رائے رکھتے ہوں ان کے درمیان ایک تعلق قائم نہیں ہو گا تب تک مکالمے میں باہمی فہم کو مضبوطی نہیں مل سکتی۔

مکالمہ بین المذاہب کی بنیادیں

---

[1] See: William Benton Publishers, Encyclopaedia Britannica (U.S.A: William Benton, 1993), 330; Carl.F. Hallencreutz,New Approach to men of Other Faiths (Geneva : WCC1970) ,17; Safdar Hussain Saddqui,The Role of Islam In the Twenty first century (Lahore:Feroze sons ,1997),56.

[2] پال فنڈلے، امریکہ کی اسلام دشمنی، مترجم۔ محمد احسن بٹ (لاہور: نگارشات مزنگ روڈ، 2004ء)، 184۔

[3] صفدر حسین صدیقی، مذہبی رواداری (لاہور: عوامی کمپلیکس نیو گارڈن ٹاؤن، س ن)، 47۔

قرآن و حدیث میں مکالمہ کے لیے بنیادی اصول بیان کر دیے گئے۔ قرآن حکیم اچھے طریق سے مکالمہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ قرآن کے نزدیک اچھے طریق سے مراد وہ ماحول ہو گا جس میں اعلیٰ اخلاق، پر امن فضا اور برابری کی بنیاد پر گفتگو ہو گی۔ قرآن حکیم میں ہے: "اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو۔"[4]؛ "کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے اس کی طرف آؤ۔ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں کوئی کسی کو خدا کے سوا کارساز نہ سمجھے اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم خدا کے فرمانبردار ہیں۔"[5] مکالمہ بین المذاہب کی کئی مثالیں نبی ﷺ کے زمانے میں سے بھی سامنے آتی ہیں۔ مثلاً: ہجرت حبشہ (5 نبوی) کے موقع پر حضرت جعفر طیار اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے درمیان مکالمہ ہوا۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمان سچے ہیں اور ان کو پناہ دی گئی۔ باہمی گفت گو کے نتیجے میں بڑے بڑے مسائل کو سلجھایا جا سکتا ہے حالانکہ قریش کی پرزور کوشش تھی کہ مسلمانوں کو وہاں سے نکالا جائے۔[6] آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اس وقت گرد و نواح میں یہودی قبائل آباد تھے۔ آپ ﷺ نے ان قبائل سے مختلف معاملات پر گفت گو کی اور ایک معاہدہ تشکیل دیا جو میثاقِ مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ معاہدہ غیر مسلم اقوام سے مکالمہ کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس میں واضح کیا گیا کہ خون بہا کا سابقہ طریقہ قائم رہے گا۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔ کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے فریق کی مدد کرے گا۔ مدینہ پر حملہ ہو گا تو دونوں فریق شریک ہوں گے۔ کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہو گا۔ لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔[7]

نجران مکہ معظّمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے۔ یہاں عیسائی عرب آباد تھے اور عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا بھی وہاں موجود تھا۔ ابو حارثہ جو لارڈ بشپ تھا نہایت فاضل شخص تھا ان لوگوں نے پیغمبر اسلام ﷺ سے مختلف مسائل پوچھے۔ آپ ﷺ نے وحی کی روشنی میں جواب دیے۔ ان کے قیام کے دوران ہی قرآن مجید کی سورہ آل عمران کی آیت 64 کا نزول ہوا۔ جب آنحضرت ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے کہا ہم پہلے ہی مسلمان ہیں۔ اس کے بعد پیغمبر اسلام نے فرمایا جب تم صلیب کو پوجتے ہو، عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو تو کیسے مسلمان ہو سکتے ہو، جب یہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے تب پیغمبر اسلام ﷺ نے وحی کے مطابق مباہلہ کرنے کو کہا۔[8]

---

[4] النحل 46:29

[5] آل عمران 3: 64

[6] شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ (لاہور: نظامی پریس، 1985ء)، 1/ 220

[7] نعمانی، سیرت النبی ﷺ، 276/1

[8] نعمانی، سیرت النبی ﷺ، 2/ 50

پیغمبرِ اسلام ﷺ نے امن کے قیام کے لیے غیر مسلم اقوام سے معاہدات کیے معاہدات مکالمہ کا لازمی نتیجہ ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے جن اقوام سے معاہدات کیے ان کی مذہبی حیثیت پر بات نہیں کی بلکہ پیش آمدہ مسائل سے متعلق معاہدات کیے جو معاہدات ہوئے ان سے کسی بھی حوالہ سے اس بات کا شائبہ نہیں ہوتا کہ کسی فریق کو اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے کہا گیا ہو اور نہ ہی کوئی ایسی دلیل پائی جاتی ہے، جس سے پتہ چلتا ہو کہ تمام مذاہب کے پیروکار کسی ایک مذہب پر متفق ہو جائیں ہر گز ایسا نہیں۔ ہر مذہب کے پیروکار اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے جغرافیائی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کا حل تلاش کریں جس کے باعث امن وامان، رواداری اور برداشت کی فضا پیدا ہو۔

آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے مکالمہ کیا اور امن کی فضا قائم کرنے کے لیے ذمہ داری کہ ان کے دشمنوں سے ان کی سرحدوں کی حفاظت اپنے گھڑ سوار اور پیدل مسلح اور زورآور مسلمانوں سے کروں گا۔ ان پر حملہ آور میرے ساتھ معاہد ہوں یا حربی ہوں مجھ سے قریب رہنے والے ہوں یا دور میں ہر حالت نصاریٰ کا طرفدار رہوں گا۔ان کے اطراف کا تحفظ اور ان کے دشمنوں سے ان کی حفاظت کروں گا۔ ان کے گرجے، عبادت خانے، خانقاہیں اور مسافر خانے خواہ وہ پہاڑوں میں ہوں یا تیر و تار غاروں کے اندر ہوں یا آبادیوں میں گھرے ہوئے ہوں یا وادیوں کے دامن اور ریگستان میں ہوں سب کی حفاظت میرے ذمہ ہے۔ان کے پادری، راہب اور سیاح جن مناصب پر ہیں انھیں معزول نہ کروں گا۔ان کی عبادت گاہوں میں مداخلت نہ کروں گا، نہ انہیں مساجد میں تبدیل کروں گا۔[9]

آپ حکم دیا تھا کہ نصرانیوں کو مسلمان ہونے پر اکراہ نہ کیا جائے ان سے مذہبی گفتگو میں احسن طریق سے پیش آیا جائے۔ جب مسلمانوں کے گھروں میں نصرانی عورتیں ہوں انھیں اپنے مذہبی شعائر ادا کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ وہ عورت جب چاہے اپنے علما سے مسئلہ دریافت کر سکتی ہے۔[10] آپ ﷺ کے بعد میں آنے والے خلفا نے مسیحی برادری سے تعلقات قائم کیے۔آٹھویں صدی عیسوی میں کچھ مسیحیوں کے مسلمان خلفاکے ساتھ بہت قریبی تعلقات تھے۔ مثلاً دمشق کے John جو کہ بنو امیہ کی عدالت میں وزیر تھا وہ اسلام سے متعلق بہت واقفیت رکھتا تھا اور مسلمانوں کے ساتھ اس کے گہرے تعلقات تھے۔ اس کے دور میں مسیح و مسلم مکالمات ہوئے۔[11]

مکالمہ بین المذاہب دور جدید میں

دور جدید میں مکالمہ بین المذاہب کے لیے بہت سی کوششیں دیکھی گئی ہیں ان میں سے کچھ کا تعلق مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان یہ بات پیدا کرنا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو سمجھیں یہ مکالمہ کا وسیع دائرہ کار ہے۔ اس میں تعلیم اور سکالرشپ وغیرہ شامل ہیں۔ تاریخی طور پر عیسائی مسلم تعلقات باہمی تضاد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اب عیسائی دنیا بڑی تیزی سے اس بات کی

---

[9] ڈاکٹر محمد حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات، مترجم۔ مولانا ابو یحییٰ امام خاں (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1960ء)، 110۔111۔

[10] حمید اللہ، سیاسی وثیقہ جات، 112۔

[11] Douglas Pratt,The Challenge of Islam: Encounter in Interfaith Dialogue (UK:Ashgate , 2005) ,103.

طرف راغب ہو رہی ہے کہ دنیا میں قیام امن کے لیے ایک دوسرے کی حیثیت تسلیم کرنا ہو گی۔ دورِ جدید میں مکالمہ کی بنیاد عیسائیوں کی طرف سے ویٹیکن کونسل کا اعلامیہ ہے جس کا دورانیہ (1962ء-1965ء) ہے۔"1989ء میں اس کو نیا نام (Protifical council for Interreligious dialogue) دیا گیا۔1971ء میں World council of church کا قیام عمل میں آیا جو کہ "Sub Unit of Dialogue" ہے۔1991ء میں WCC نے اس یونٹ کو بند کر دیا اور اس کا الحاق "Office of Interreligious Relation" کے ساتھ کر دیا۔1949ء میں Louis Godet(1812-1900ء) and Joshph Cuoq(1983ء) کی لکھی ہوئی کتاب شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن نہایت اہم ہے۔ اس میں 1949ء سے 1988ء کے درمیانی عرصہ میں عیسائی مسلم مکالمہ سے متعلق تقریباً تمیں اجلاس ہو چکے تھے۔"[12]

1940ء میں Roderick Ninian Smart(1927-2000ء) کی کتاب "World Religions :A dialogue" لکھی گئی۔ مذہبی رہنما مارٹن لوتھر نے (1566ء) میں ایک میز کانفرنس کی۔ James Boswell(1740ء-1795ء) نے 1791ء میں "Life of Johnson" لکھی۔ Alfred North Whitehead(1861ء-1947ء) نے Dialogue of Alfred North Whitehead لکھی جو 1954ء میں شائع ہوئی۔ ہندوستان میں Mahendranath Gupta نے 1897ء میں The Gospel of Sri Ramakrishna لکھی جس کا پہلا ایڈیشن 1942ء میں شائع ہوا۔

1992ء میں Wcc کے دفتر "Inter Religious Relation" نے ایک وثیقہ جاری کیا جس کو "Christian Muslim Relation Consideration" کا نام دیا گیا۔ پاپائی کونسل اور ورلڈ کونسل آف چرچ کی ذیلی اکائی نے کئی قومی، علاقائی اور بین الاقوامی سطح پر اجلاس سیمینارز کا انعقاد کیا۔ اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ ویٹیکن اور ورلڈ کونسل آف چرچ کے فاصلے ختم ہوئے اور رومن کیتھولک کے ممبران نے wcc کے اجلاسوں میں شرکت کی۔1993ء میں آسٹریا کے وزیر خارجہ Dr. Alias کی سربراہی میں ویانا میں ایک کانفرنس ہوئی جس میں 23 عیسائی اور 23 مسلم ممبران نے شرکت کی اور یہ کانفرنس تین یوم تک جاری رہی۔ مسلمانوں کی طرف سے عرب لیگ کے سربراہ ڈاکٹر عصمت عبدالحمید کی سرابراہی میں شرکت کی گئی۔ ایرانی صدر محمد خاتمی، اردن کے شہزادہ حسن اور انڈونیشین انسٹیٹیوٹ آف سائنس جکارتہ کے ڈائریکٹر نے بھی شرکت کی۔ 1974ء میں لیبیا میں ایک کانفرنس ہوئی۔ Wcc نے سوئٹزر لینڈ میں ایک کانفرنس کروائی۔ ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی نے اس میں شرکت کی۔1982ء میں سری لنکا میں ایک

---

[12]Hugh Goddard ,A History of Christian-Muslim Relation,(Chichago: New Amsterdam books jven publisher, 2002), 177.

ورکشاپ ہوئی اس میں مذہبی اقلیتوں کے مسائل زیر بحث آئے۔ اس کے انعقاد میں wcc، مسلم کانگریس اور موتمر عالم اسلامی نے کردار ادا کیا۔[13]

ایڈنبرا میں 1910ء میں پہلی عالمی مشنری کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جس میں اس بات کا عزم کیا گیا کہ عیسائی اور غیر عیسائی اپنے اپنے مذہب پر کاربند رہتے ہوئے مل کر کام کریں گے۔ اسی کانفرنس کی طرز پر 1928ء میں یروشلم اور 1938ء میں ہندوستان میں بین الاقوامی مشنری کانفرنسز کا انعقاد ہوا۔ دوسری عالمی جنگ (1939ء-1945ء) کے بعد عیسائی مشنری کا کام ماند پڑ گیا تھا۔ 1948ء میں گرجاؤں نے اس صورتِ حال کو تبدیل کرنے میں دلچسپی لی۔ wcc نے 1961ء میں نئی دہلی ہندوستان اور 1967ء میں سری لنکا کے شہر کینڈی میں اجلاس منعقد کروائے۔[14]

جدید دور میں کئی مسلم ممالک بین المذاہب مکالمے کی ترویج کے لیے منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں کئی عالمی تنظیمیں، مسلم ممالک کے رہنما اور اہل مغرب بھی بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔ جون 2008ء رابطہ عالم اسلامی نے ایک بین المذاہب مکالمہ کی عالمی کانفرنس کا انعقاد کروایا۔ یہ بہت اچھی ابتداء تھی۔ نومبر 2008ء میں شاہ عبداللہ کی تجویز پر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا جس کا مقصد بین المذاہب مسائل پر گفتگو کرنا تھا۔ امریکی صدر جارج بش برطانوی وزیر اعظم گورڈن براؤن اور پاکستانی صدر آصف علی زرداری کے علاوہ ساٹھ ممالک کے رہنماؤں نے شرکت کی۔ یہ اجتماع بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کانفرنس میں لوگوں کے ان گروہوں کو قریب لایا جو کہ تاریخی لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ مذہب رکھتے ہیں۔ پہلی مرتبہ سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ اور اسرائیلی وزیر اعظم(EHLLD Olmert)(1945ء) نے آپس میں ملاقات کی۔

مکالمہ بین المذاہب کے بنیادی ملحوظات

کوئی بھی شخص، قوم یا ملک ایک دوسرے سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔ پوری دنیا ایک اکائی ہے اس میں ہر قسم کے لوگ آباد ہیں جن کا تعلق مختلف مذاہب، علاقے، تہذیب و ثقافت، رنگ و نسل اور اقوام سے ہے۔ انسان فطرتاً سماج پسند ہے، اس لیے وہ معاشرے میں مل جل کر رہنا چاہتا ہے۔ سماج میں رہتے ہوئے اسے دوسروں کے ساتھ رابطہ تعلق میل ملاپ رکھنا پڑتا ہے۔ اس تعلق کو قائم رکھنے کے لیے کچھ حدود و قیود اور شرائط کا ہونا لازم ہے۔ مکالمہ بھی انسانیت کے مابین فاصلے کم کرنے کی طرف ایک قدم ہے۔ لہٰذا مکالمہ کے لیے چند ملحوظات کو مد نظر رکھنا از بس ضروری ہے:

- مکالمہ بین المذاہب میں شریک ہر فرد کو ایک دوسرے سے کچھ سیکھنے کا جذبہ ہونا ضروری ہے۔

[13] Goddard ,A History of Christian-Muslim Relation,178-180.

[14] Muhammad Shafiq and Mohamad Abu-Nimmer, Interfaith Dialogue: A Guide for Muslim (Washington:IIIT, 2007), 3.

● مکالمہ بین المذاہب میں شریک ہر گروہ کو اپنی مذہبی روایات پر تنقیدی نظر ہونی چاہیے۔ نا اتفاقی اور مخصوص نظریات کے ساتھ مکالمہ میں شریک نہیں ہونا چاہیے اور اختلافات سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر عیسائی اور مسلمان دونوں خدا کی عظمت کو تسلیم کرتے ہیں اور بنی نوع انسان کی عظمت کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن یسوع مسیح کی ذات کے حوالے سے دونوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

● مکالمہ بحث و تکرار نہیں ہے، خود میں تبدیلی لانا اور پھر اس پر عمل کرنا مکالمہ کا صحیح طریقہ ہے۔

مکالمے کے لیے ایک مسلمان لیے رہنما اصول

ایک مسلمان کو دوسرے مذاہب بالخصوص مسیحیوں کے ساتھ مکالمے کے وقت کن چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ یہ ایک بڑا اہم دل چسپ موضوع ہے۔ کیوں کہ اس کے بغیر ایک مسلمان کا کامیاب مکالمہ کر پانا ممکن نہیں ہوگا۔ اس ضمن میں ہم یہاں وہ باتیں نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو اپنے ایک مقالے میں محترم خورشید احمد سعیدی نے بیان کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

● مکالمہ میں شریک ایک مسلمان کو چاہیے کہ کم از کم قرآن مجید کی ان آیات کا گہرا مطالعہ رکھتا ہو جو عیسائیوں کے عقائد، اعمال اور دوسرے ضروری امور کے سلسلے میں رہنمائی کرتی ہے مثلاً سورۃ آل عمران: 52، 59، 70، 71؛ البقرہ : 136، 140 ؛ سورۃ النساء: 157، 158، 171 ؛ سورہ المائدہ: 73، 114، 117 وغیرہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث والوہیت مسیحؑ، الوہیت مریمؑ، صلیب مسیح وغیرہ کا رد فرمایا ہے۔ ان آیات کی تفسیر کا مطالعہ کرنے کے لیے کم از کم امام محمود آلوسی کی تفسیر "روح المعانی"، امام فخر الدین رازی کی "تفسیر کبیر" ضیاء القرآن، تفہیم القران اور دیگر اردو تفاسیر کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔

● قرآن مجید کے علاوہ مختلف مسلمان علما کی کتب مثلاً امام غزالی کی کتاب الرد الجمیل، ابن تیمیہ کی کتاب الجواب الصحیح لم بدل دین المسیح، مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی مشہور کتاب اظہار الحق وغیرہ کا مطالعہ مسلمانوں کے لیے مفید رہے گا۔

● تاریخ عیسائیت اور پاپائیت کی تاریخ کا مطالعہ ہونا چاہیے۔

● ایسٹ انڈیا کمپنی کی تاریخ جس میں مسلمان علما کو عیسائی مشنریوں کی کوششوں کے نتیجے میں کالے پانیوں میں مصائب برداشت کرنے پڑے۔

● ان لوگوں کے واقعات جنھوں نے عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

● صلیبی جنگوں کی تاریخ جس میں عیسائیوں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا اس موضوع پر تاریخی کتب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

● سب سے اہم یہ ہے کہ موجودہ عالمی حالات کا مطالعہ کہ اس میں عیسائی کس طرح حصہ لے رہے ہیں؟

● مکالمہ میں شرکت سے پہلے چند مسلمان علما مل بیٹھ کر اس معاملے میں مناسب تیاری کریں اور ڈائیلاگ کے موضوع پر کچھ کتابوں کا مطالعہ ضرور کر لیا کریں۔

● دنیا میں جہاں کہیں بھی اس قسم کے ادارے کام کر رہے ہوں ان کے ساتھ باہمی تعاون کی غرض سے مسلسل رابطہ رکھیں۔[15]

مکالمہ بین المذاہب کی راہ میں رکاوٹیں

مکالمہ بین المذاہب کی راہ میں حائل کئی رکاوٹیں ہیں۔ سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی حوالے سے کئی مسائل کا سامنا ہے۔ غالب قوتیں صرف اپنا ایجنڈا پورا کرنے کے لیے کمزور ممالک اور اقوام پر دباؤ ڈالتی ہیں اور ان کا مذہبی اور سماجی تشخص ختم کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جس کی وجہ سے بے شمار مسائل جنم لیتے ہیں۔ یہ رکاوٹیں اور مسائل درج ذیل ہیں:

معاشی مسائل

معاشی مسائل کافی حد تک مکالمہ کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ اگر ایک مذہب کے لوگوں کے پاس اتنے وسائل نہیں کہ وہ خود اپنے طور پر سفر کرکے جائیں اور مکالمہ بین المذاہب کی کانفرنسز میں شرکت کر سکیں تو وہ یقینا سرکار کی طرف سے یا کسی تنظیم کی طرف سے جائیں گے جس کی وجہ سے کانفرنس میں انھی کا مدعا بیان کریں گے۔ یعنی اپنی ریسرچ اور خیالات کا غیر جانبدارانہ تجزیہ پیش کرنے سے قاصر رہیں گے، جس کی وجہ سے شرکت کرنے والے لوگوں میں رجحان کم دکھائی دیتا ہے۔

خود فریبی

مذاہب کے مابین مکالمہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ ہر مذہب کے پیروکار خود کو سچا سمجھتے ہیں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بالاتر سمجھتے ہیں، اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ہی خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا کی ساری رحمت صرف ہمارے قریب کے لوگوں کے لیے مخصوص ہے۔ قرآن مجید یہود و نصاریٰ کی اس سوچ کی عکاسی کرتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ یہودی اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی بہشت میں نہیں جائے گا۔[16]

مغرب کا اہل اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ

مغرب اسلام کے بارے میں جو کچھ سمجھتا ہے یہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے نہایت اہم موضوع ہے۔ 11 ستمبر 2001ء کا خوفناک واقعہ جس میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر جو واشنگٹن میں ہے اس کو نشانہ بنایا گیا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان یہ واقعہ تعلقات کے حوالے سے ایک نیا رُخ اختیار کر گیا۔ امریکہ، افغانستان، ایران، عراق، لبنان، اسرائیل اور فلسطین کے درمیان تعلقات میں کافی کشیدگی پیدا ہو گئی، لیکن مسلمانوں اور عیسائیوں کے لیے مکالمہ کے مواقع بھی میسر آئے۔ مغربی میڈیا اسلام کو Threat کے طور پر پیش کر رہا ہے اور اسلامی جماعتوں، تحریکوں اور گروہوں کو اس طرح پیش کر رہا ہے کہ وہ مغربی اقوام کے ذہنوں پر ایک خوف کا نشان بنے ہوئے ہیں۔

اگرچہ کچھ مغربی برادریاں بھی اسلام کے بارے میں حقیقی طور پر زیادہ کچھ جاننے کی خواہش مند ہیں اور یہ خواہش اس لیے پیدا ہوتی ہے کہ انھیں محسوس ہوا ہے کہ جو کچھ اسلام کی تصویر ان کو دکھائی جا رہی ہے، وہ فرضی ہے یقینی طور پر مسلمان ایک

[15] خورشید احمد سعیدی، "مکالمہ بین المذاہب پس پردہ اغراض کیا ہیں؟" (لاہور: ماہنامہ ضیائے حرم، مئی 2004ء)، 78۔

[16] البقرہ 2: 111

نظریاتی پہچان رکھتے ہیں، اس کا ہر گز یہ مقصد نہیں کہ وہ دنیا کے لیے ایک "Threat" ہیں، لیکن موجودہ تناظر میں اس بحث کو جس پیرائے میں دکھایا جارہاہے مشہور امریکی مستشرق John Eposito اپنے ایک مقالہ میں لکھتا ہے:

> "Many faces of contemporary Islam have intended to be subsumed under the Monolight of Islamic Fundamentalism which has become evaluted with violence and terrorism" (17)

مختلف واقعات جو مغربی اخبارات کی شہ سرخیاں بنتی ہیں وہ اسلام کا ایسا تاثر پھیلا رہے ہیں ,جیسے اسلام عسکریت پسند، توسیع پسند، شائد امریکہ مخالف، عیسائی مخالف یہودی مخالف ہے۔اور شاید ان پر جنگ مسلط کرنا چاہتا ہے۔

نقل مکانی کے اثرات

اسی طرح ایک مسئلہ جو سامنے آیا ہے, وہ موجودہ حالات میں نقل مکانی کے اثرات ہیں Pratt اس کو Religious Identity displacement کہتے ہیں۔ دنیا ایک اکائی کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ یہ صرف جدید ذرائع مواصلات کے ذریعے نہیں بلکہ تجارت اور لین دین کا نتیجہ بھی ہیں. معیشت سرحدوں کی پابند نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مخصوص علاقوں اور ملکوں کے باشندے بھی سرحدوں سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ اب انفرادی طور پر خاندان اور قبائل تیزی کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو رہے ہیں۔ نقل مکانی کی صورت میں مذہبی عقائد بھی متاثر ہوتے ہیں اگر آپ کسی بھی سماج میں بالکل انھی جیسے ہو جائیں گے تو اچھے شہری کہلا سکتے ہیں، لیکن اگر آپ اپنا تشخص اور ثقافت برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو آپ پر "Other" کا لیبل لگ جائے گا، کیونکہ شناخت کا مطلب دوسروں سے مختلف ہونا ہی ہوتا ہے۔ اچھا شہری وہ ہے جو قوانین کا پابند ہو مذہبی قوانین کی پاسداری کرنے والا ہو، لیکن نقل مکانی کرنے والے لوگ مقیم لوگوں کی طرح قوانین کی پابندی نہیں کر سکتے، جس کی وجہ سے وہاں پہنچنے میں مشکلات پیش آتی ہیں۔ زیادہ تر مشکلات مغرب کے لیے ہیں کیونکہ نقل مکانی مغرب کی طرف ہو رہی ہے۔ مغرب کا یہ خیال کہ نئے آنے والے اپنا تشخص چھوڑ کر ان جیسے بن جائیں گے انہیں اپنی زبان، ثقافت اور مذہب چھوڑ کر ہمارا مذہب اختیار کر لینا چاہیے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مغربی لوگوں کا خیال اتنا سادہ اور آسان نہیں ہے، کیونکہ نازی جرمنی میں یہودیوں نے جو یکسانیت اختیار کی ان کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ اس کا مطلب یہ ہے تکثیری ہم آہنگی ہو جائے گی یعنی ایسا معاشرہ تشکیل پا جائے گا جو "Homogenes" ہو جائے گا۔ یہ چیز نہ صرف میزبان سماج کے لیے نقصان دہ ہے، بلکہ نقل مکانی کرنے والوں کے لیے بھی مضر ہے کیونکہ متنوع ہونا اور مذہبی تکثیریت ثقافت کو رنگا رنگی دیتی ہے۔

بنیاد پرستی

[17] John L. Esposito, The Islamic Threat: Myth or Reality? (Newyork: Oxford University Press ,1994),39.

ایک مسئلہ بنیاد پرستی (Fundamentalism) کی اصطلاح ہے جو کہ اہل مغرب جان بوجھ کر کہتے ہیں کہ یہ اصطلاح مسلمانوں کی ہے۔ اسلام کے تمام محرکات تصورات، اہداف کو وہ کھلم کھلا بنیاد پرستی کا نام دیتے ہیں۔ مغرب اور مغربی میڈیا نے اس اصطلاح کو مسلمانوں کے لیے غلط مفہوم کے طور پر استعمال کیا۔ اگر اس طرح کے پس منظر کو دیکھا جائے تو اس کا آغاز عیسائیت میں ہوا جو کہ عیسائی نظریات کو صاف طور پر پیش کرتا ہے۔ اگر اس اصطلاح کو نرمی سے استعمال کیا جائے یعنی اعتقاد کے نقطہ نظر سے تو بنیاد پرست کا مطلب یہ ہے کہ تمام اچھے مسلمان بنیاد پرست ہیں اور اس تشخص پر مسلمان خوش بھی ہوں گے، لیکن مغرب اس اصطلاح کو مسلمانوں یا اسلام کے لیے اس طرح استعمال نہیں کرتا بلکہ وہ انھیں سیاسی انتہا پسندی کا نام دیتا ہے۔ یہ تاثر مکالمہ کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

اسلام سے متعلق مغربی میڈیا کا تصور

اسلام کے بارے میں جو کچھ بھی مغرب نے جانا ہے، وہ ٹی وی کی خبروں اخباری رپورٹوں اور سینما گھروں میں فلمیں دیکھ کر جانا ہے یہ سب کچھ پرانی اور گھسی پٹی معلومات ہیں انہی معلومات سے لوگوں نے انفرادی اور اجتماعی سطح پر اسلام کے بارے میں ایک تاثر قائم کر لیا ہے۔ اگرچہ میڈیا معلومات کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے، لیکن جس طرح سے اسلام کے بارے میں خبروں کو کاسٹ کیا جاتا ہے، بہر حال اس سے ان کے سیاسی ایجنڈے کا اظہار ہوتا ہے۔ میڈیا پر جو بھی مواد پیش کیا جاتا ہے اس کو باقاعدہ ایڈٹ کیا جاتا ہے۔ اس میں یہ بات زیر نظر رہتی ہے کہ کس کے خلاف کیسے پروپیگنڈا کرنا ہے اور اپنے مطلوبہ اہداف کو حاصل کرنا ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ رپورٹ پیش کرنے والا کتنا ہی غیر جانبدار کیوں نہ ہو اور کیمرے کی آنکھ سے کتنی ہی غیر جانبداری کے ساتھ اس کو پیش کر رہا ہو، لیکن یہ سب پیش کرنے والا اپنے مقصد کے لیے کسی خاص زاویے سے ہی اس کو دکھائے گا تو اس کا واضح مطلب یہی ہو گا کہ غالب سیاسی قوتیں اپنے مقاصد کے لیے یہ چیزیں اپنے زاویہ نگاہ سے ہی دکھائیں گی۔ اس کا زیادہ تر تاثر جو مغرب نے لیا وہ میڈیا سے لیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اچھا تاثر بالکل ہی قائم نہیں کیا گیا، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسلام کی جو تصویر مغربی میڈیا نے پیش کی ہے وہ درست نہیں ہے۔

خلاصہ بحث

دور جدید میں بین المذاہب مکالمہ کی ضرورت مسلمہ ہے۔ اسلام نہ صرف یہ کہ اس کا مخالف نہیں بلکہ اس کے یہاں اس کی واضح بنیادیں موجود ہیں۔ لیکن اس کی راہ میں فی زمانہ بہت سے رکاوٹیں ہیں۔ جن میں مکالمے کے فریقوں میں دوسروں کی تفہیم کی کمی اور اس سلسلے میں بنیادی اصولوں کو نظر انداز کرنا ہے۔ مکالمہ بین المذاہب کو کارآمد بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مختلف طبقات میں رواداری، فہم و بصیرت شعور اور اچھی رائے کو رواج دیا جائے۔ سماجی و سیاسی نوعیت کے فلاحی کاموں سے متعلق ہر فریق دوسرے کا خیال رکھے۔ اخلاقی و مذہبی تعصّبات سے ماورا ہو کر انسانیت کی فلاح کو مدّ نظر رکھا جائے۔ مذہبی اقلیتوں کے حقوق کا تعین ہو اور ان کو یقینی بنایا جائے۔ مختلف مذاہب پر مشتمل خطوں میں پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے انفرادی و اجتماعی روابط قائم کیے جائیں، اور مذہبی عناصر میں اس کی افادیت کا شعور اجاگر جائے۔